معاشی ناہمواریوں کا اسلامی علاج

(نعیم صدیقی)

قسطِ دوم

سرکاری ملازمین کے معاوضے ہمارے نظامِ معاشی کی بڑی بڑی ناہمواریوں میں سرکاری ملازمین کے معاوضوں کے اونچ نیچ کو اوّل درجے کی اہمیت حاصل ہے[1] تنخواہوں کا خوفناک تفاوت تنہا ہی نہیں پایا جاتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ملازمین میں ایک مہلک طبقہ بندی بھی کارفرما ہے۔ اوپر کے طبقے میں کبر و رعونت کا احساس پایا جاتا ہے اور نچلے طبقے کے کثیر التعداد ملازمین کے اندر احساسِ کمتری کا مرض پیدا کر دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک حکومت کے کارکنوں کو مملکت اور عوام کی خدمت کے لئے ایک ٹیم کی طرح کام کرنے میں جس جذبۂ اخوت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مر چکا ہے ——— اور ظاہر ہے کہ اگر آپ یہاں اسلامی حکومت قائم کرنے چلے ہیں تو اس صورتِ حالات کو باقی نہیں رکھا جا سکے گا، بلکہ اسے جلد از جلد بدل دینا ہوگا۔

موجودہ معاوضہ بندی میں بنیادی قباحتیں تین ہیں۔ پہلی خرابی یہ ہے کہ کم سے کم درجے کی جو تنخواہ طے کی گئی ہے، وہ ایسی نہیں ہے کہ جس میں ایک کنبے کا تو کجا ایک فرد کا گذارہ بھی ہو سکے۔ آخر کوئی ریاضی دان یہ بتلائے کہ ۳۵[2] روپیہ ماہانہ

---

[1] حکومت چونکہ انسانی قوت (Man-Power) اور جنسِ محنت (Labour) کی سب سے بڑی گاہک ہوتی ہے، اس وجہ سے قدرتی طور پر محنت اور ملازمت کے معاوضوں کا جو بازاری نرخ (Market Rate) بنتا ہے اس پر حکومت کی اختیار کردہ شرح ہائے معاوضہ اور اصولِ معاوضہ بندی بہت ہی گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ انسانی محنت کا منصفانہ نرخ کسی ملک میں صرف اسی صورت میں رائج ہو سکتا ہے جب کہ حکومت سب سے پہلے اپنی تنخواہوں کو نظامِ انصاف کے اصولوں پر عملاً قائم کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں نظامِ معیشت کو درست کرنے کے لیے تنخواہوں کی فوری اصلاح کو ہم لازم سمجھتے ہیں۔

[2] یہ تو گورنمنٹ کے ملازمین کے معاوضوں کی کم سے کم حد بندی ہے، اس کے مقابلہ میں ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں اور لوکل سیلف گورنمنٹ کے دوسرے اداروں کے بعض ملازمین کی بنیادی تنخواہیں ۱۲ — ۱۷ اور ۲۰ — ۲۰ روپے بھی ہیں۔ یہ کھلا ہوا ظلم ہے۔

© rasailojaraid.com

میں ادنیٰ کپڑا، مکان اور دوا جیسی ضروریات ایک، دو، تین، چار، پانچ اور دس افراد کے کنبے کے لیے کیسے پوری ہو سکتی ہیں۔ پھر اس سے اوپر ۴۰، ۵۰، ۱۰۰ اور ۲۰۰ تک کے جو معاوضے پائے جاتے ہیں، ان کو چار پانچ افراد کے کنبوں کی کفالت کا ذریعہ کس حکمت سے بنایا جا سکتا ہے۔ جن کمیشن کے ممبران نے یہ ظالمانہ شرح بندی کی ہے، ہم ان کے ارکان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ ایک مہینہ اپنے گھر کا خرچ اسی رقم سے چلا کر دکھا سکتے ہیں؟ اگر اپنے گھر کا نہیں، تو کیا آپ ۲۰ روپیہ لینے والے کارکن کو کوئی ایسا بجٹ بنا کے دے سکتے ہیں کہ جس کے ذریعے ۵، ۶ ممبروں کے مصارف ۲۵ روپے میں پورے ہو جائیں؟ اگر آپ کی معاشی معلومات میں ایسے کرتب چھو منتر نہیں ہیں تو پھر بتائیے کہ آپ خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے، اور اگر آپ خدا کو نہ مانتے ہوں تو فرمائیے کہ آپ نے اپنے ضمیر کو کس طرح مطمئن کر لیا ہے۔

دوسری خرابی تنخواہوں کی شرح بندی میں یہ ہے کہ ایک کارکن کے کنبے اور اس کی معاشی ذمہ داریوں کا سرے سے کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ان حالات میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک طرف ایک شخص فرد واحد ہو کر تین چار سو روپیہ ماہانہ لے رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف دس افراد کا کنبہ پچاس روپے پر بسر ہو رہا ہوتا ہے۔

تیسری خرابی معاوضوں کے موجودہ سسٹم میں ظالمانہ تفاوت کا پایا جانا ہے۔ آج ہمارے ہاں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ کی باہمی نسبت ۱ : ۱۰۰ کی ہے۔ بلکہ اگر لوکل سیلف گورنمنٹ کے اداروں کے کارکنوں کے معاوضوں کو دیکھا جائے تو تفاوت کا تناسب صریحاً ۱ : ۱۰۰۰ ہو گیا ہے۔ یعنی جو فرق ایک منزل کے مکان اور دو سو منزل کے مکان کو ایک ساتھ بنا کر محسوس کیا جا سکتا ہے ٹھیک وہی فرق سرکاری ملازمین کے معاوضوں میں پایا جاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ ایک گاڑی وہ ہے جو ایک میل فی گھنٹہ چل رہی ہے اور دوسری گاڑی وہ جو ۱۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے متحرک ہے۔ تفاوت یقیناً ناگزیر ہے۔ لیکن اگر تفاوت اتنا زیادہ ہو جائے کہ اسلام کی خدمت کے لیے افسر اور ماتحت اور اعلیٰ و ادنیٰ ملازم ایک صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے جذبے سے محروم ہو جائیں تو ایسا تفاوت ناقابل برداشت ہے۔

معاوضہ بندی کے ان تین مفسدات کی وجہ سے جو مہلک نتائج پیدا ہو رہے ہیں، ان کا ایک ہلکا سا تصور دلا دینا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کو بنانے میں جن چھوٹے ملازمین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے مثلاً مدرس، کلرک، کانسٹبل۔ ایک صحیح اسلامی حکومت کی آزاد عدالت میں حکومت کا ایک کارکن اس قسم کے ظالمانہ معاوضے کے خلاف اجتماعی استغاثہ دائر کر سکتا ہے اور عدالت یقیناً حکومت کے خلاف ڈگری دے کر اسے معقول معاوضہ دلوائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوجی سپاہی اور سرکاری کارگاہوں کے مزدور وغیرہ جو پاکستان کی گاڑی کے لئے پہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں حد درجہ کی بے اطمینانی پائی جاتی ہے اور مملکت کی خدمت گزاری کے لئے جس ولولہ کی ضرورت ہے وہ ان کے سینوں میں دم توڑ رہا ہے وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ پاکستان کا وجود صرف ان بڑوں کے لئے ہے جو اس کے خزانے سے جتنا رس چاہتے ہیں آزادی سے نچوڑ لیتے ہیں اور اپنے سے نیچے کے کارکنوں کی حق ماری کرنے کے لئے پورے اختیارات رکھتے ہیں۔ دوسری واضح خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ معاوضوں کی کمی نے رشوت ستانی اور پبلک کے اموال میں خیانت کرنے کے دروازے چوپٹ کھلوا دیئے ہیں غریب ملازمین کے اندر جو اخلاقی قوت بددیانتی سے روکنے کے لئے کارفرما چلی آ رہی تھی اسے فقر و فاقہ نے آہستہ آہستہ کمزور کر دیا ہے۔ اس طرح رشوت ستانی اور خیانت پاکستان کے خزانہ قوت کو مسلسل برباد کر رہی ہے جیسے دیمک کسی تخت طاؤس کو اندر ہی اندر سے چٹ کر جائے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ ملازمین حکومت غیر منصفانہ معاوضوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے بار بار ہڑتالیں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ان ہڑتالوں کی وجہ سے مملکت پاکستان کے خزانہ قوت میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے۔ چوتھی خرابی یہ پیدا ہو چکی ہے کہ افسروں اور عام کارکنوں میں نہ صرف یہ کہ اخوت کا تعلق سرے سے نہیں ہے بلکہ اُلٹا باہمی نفرت اور کشمکش کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ اور یہ پاکستان کے لئے فالِ نیک ہرگز نہیں۔ پانچویں خرابی یہ ہے کہ معاوضوں کے اس غلط سسٹم کا بہت مضر اثر سالہا سال سے پرائیویٹ فرموں اور اداروں کے ملازمین اور مزدوروں کے معاوضوں کے مارکیٹ ریٹ پر پڑ رہا ہے۔

ان حالات میں ہمارے ملازمین کمیونزم کے جراثیم کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار بیٹھے ہیں۔ چنانچہ فوج کی چھاؤنیاں، پولیس لائنز اور سول دفاتر کے ہر گوشے میں ان جراثیم کے انجکشن لگانے کی ایک خاموش مہم ملک بھر میں جاری ہے۔ اس مہم کو ناکام بنانے کی کوئی تدبیر اس کے سوا نہیں ہے کہ معاوضوں کا نظام اسلام کے منصفانہ اصولوں پر استوار کر دیا جائے۔

خلافت راشدہ میں معاوضہ بندی کا اصول خلافت راشدہ کے دور کی تاریخ کی چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں ملازمین حکومت کے معاوضوں کے تعین میں یہ خیال بھی رکھا جاتا تھا کہ کارکن کی قابلیت اور خدمت کی نوعیت کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ اس کی ضروریات کیا ہیں اور اس کا کنبہ کتنا ہے۔

ابتدائی دور میں جب تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کے لئے مخالف قوتوں سے جدوجہد جاری تھی تنخواہ داری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرے سے نہ تھی بلکہ ہر شخص اپنے خرچ پر رضاکارانہ خدمات انجام دیتا تھا اور اگر اسٹیٹ کو کوئی آمدنی ہوتی بھی تو وہ کارکنوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی لیکن بعد میں جب اسلامی ریاست پوری طرح قائم (establish) ہو گئی تو باقاعدہ معاوضہ بندی کر دی گئی۔ جس کی تصریح دور عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ میں موجود ہے حضرت عمرؓ نے اپنی ایک تقریر میں تنخواہوں کے فرق مراتب کے وجوہ یوں بیان فرمائے ہیں:-

ما احدٌ الا له في هذا المال	تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا حصہ اس خزانے
حقٌ أعطيه او منعه	میں نہ ہو خواہ یہ حصہ میں نے ادا کر دیا ہو یا روک رکھا ہو کوئی
وما احدٌ احق به من	اس خزانے میں مرد و غلام سے بڑھ کر کسی کے مقابلے میں بڑا
احد الا عبدٌ مملوكٌ و	حصہ دار نہیں ہے اور خود میں اس معاملے میں کوئی حیثیت
ما انا فيه الا كاحدكم	اس سے زیادہ نہیں رکھتا جو تم میں سے ہر ایک کی ہے
ولكنا على منازلنا من	لیکن اس خزانے کی تقسیم ملحوظ ان درجات و مراتب
كتاب الله وقسمنا من	کے مطابق ہوگی جو کتاب اللہ اور رسول اللہ کے ذریعے
رسول الله صلعم	متعین ہیں۔ سو دیکھا یہ جائے گا کہ
(۱) فالرجل وبلاؤه في الاسلام (۲) والرجل	۱۔ کسی شخص نے اسلام کے لئے کیا آزمائشیں جھیلی ہیں
وقدمه في الاسلام (۳) والرجل وغناؤه	۲۔ کسی شخص نے اسلام کے لئے کتنی سبقت کی ہے
في الاسلام (۴) والرجل وحاجته في الاسلام	۳۔ کسی شخص اسلام کے لئے ...
ایک دوسرے موقع پر یہ نکتہ ارشاد فرمایا:-	۴۔ کسی شخص کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟
(۵) والرجل وعياله في الاسلام	۵۔ کسی شخص کا زیر کفالت کنبہ کتنا ہے۔

معمولی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاوضہ بندی کے لئے بہترین منصفانہ اصول یہی ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ تقریر مذکورہ بالا کی اصطلاحات اسلامی تحریک کے ابتدائی انقلابی دور سے متعلق ہیں لیکن اگر ان سے عام حالات کے لئے اشارات اخذ کئے جائیں تو معاوضہ بندی میں قابل لحاظ امور یہ ہوں گے کہ:

(۱) ایک شخص نے اسلامی حکومت کے قائم کرنے اور چلانے کی جدوجہد میں کیا حصہ لیا ہے اور کیسی خاص خدمات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انجام دی ہیں اور کن کن قربانیوں سے کام لیا ہے؟

(ب) ایک شخص نے اسلامی حکومت کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو علمی قابلیت، عملی مشق، تجربہ اور فنی مہارت کے لحاظ سے تیار کرنے میں کتنی دماغی اور مالی قربانی دی ہے اور عمر کا کتنا حصہ صرف کیا ہے؟

(ج) ایک شخص کتنی مدت سے اسلامی حکومت کی خدمات انجام دے رہا ہے؟

(د) ایک شخص کی خدمات کی نوعیت کیا ہے اور جسمانی اور دماغی مشقت اس میں کس حد تک پائی جاتی ہے؟

(ہ) ایک شخص کی حاجات و ضروریات کیا ہیں؟

(و) ایک شخص کا کنبہ کتنے افراد پر مشتمل ہے؟

ان سامنے امور کا لحاظ معاوضہ و مزدوری مقرر کرنے میں اگر رکھا جائے تو ان کے مجموعے کا نام اصولِ کفالت ہے۔ خلافتِ راشدہ میں تنخواہیں اور معاوضے اسی اصولِ کفالت پر ادا ہوتے تھے۔ چنانچہ کسی ملازمِ حکومت کے کنبے میں جہاں ایک بچے کا اضافہ ہوجاتا اس کا وظیفہ بیت المال سے ادا ہونے لگتا۔ مہاجرین و انصار کی ازواج کو ... ۱۰۰ درہم تک کے بدل نفقہ ملتے تھے۔

پاکستان میں اس اصولِ کفالت کو نافذ العمل کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ ایک نیا پے کمیشن (Pay-Commission) مقرر کیا جائے جو اسلامی ذہنیت کے ساتھ معاوضوں کے نظام کی نظرثانی کرے۔ ہر سرکاری کارکن کو اس کے افرادِ خاندان کے مطابق اس کی ... ضروریات فراہم کی جائیں، نیز اس کی اور اس کے اہل و عیال کی صحت کی ذمہ داری حکومت اپنے سر لے۔

ظالمانہ تفاوت کا خاتمہ | دوسری اصلاح جو معاوضوں کے نظام میں مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ ۱۲ تا ۵۰۰۰ روپے کے ظالمانہ تفاوت کو ختم کیا جائے۔ کارکنوں کی صلاحیتوں، خدمات کی نوعیتوں اور مناصب کی ذمہ داریوں وغیرہ میں جو تفاوت قدرتی طور پر موجود ہے، وہ یقیناً معاوضوں میں ایک حد تک تفاوت پیدا کرتا ہے اور ایسا ہونا چاہئے۔ لیکن آج کا تفاوت اسلامی نظام کے تحت گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

خلافتِ راشدہ میں بھی تفاوت موجود تھا اور بعض مناصب کے لئے خاص طور پر اچھے معاوضے بھی رکھے گئے تھے، لیکن وہاں اس امر کا اہتمام تھا کہ نیچے کے کارکنوں کا حق مار کر اوپر کے بڑے عہدہ داروں کو عیاشی کے سامان فراہم نہیں کئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے تھے بلکہ سب سے نیچے والے کو بھی اُتنا ضرور ملتا تھا جتنا ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو۔

خلیفہ اول کے دور میں باقاعدہ تنخواہ دارانہ نظام نہیں تھا خلیفہ دوم نے اسے قائم کیا اور ۲۰ھ میں جب باقاعدہ طور پر ملت اسلامیہ کے جملہ افراد کو سرکاری سپاہ قرار دے کر درج رجسٹر کرایا تو ان کے مستقل معاوضے مقرر فرمائے۔ ان معاوضوں میں سے زیادہ سے زیادہ کی مقدار ۵۰۰۰ درہم (موجودہ شرح کے حساب سے تقریباً ۲۵۰۰ روپیہ) اور کم سے کم مقدار ۲۰۰ درہم (۱۰۰ روپیہ) تھی۔ بعد میں جب اسلامی ریاست کے مالیات نے مزید ترقی کی تو ان تنخواہوں میں اور اضافہ کیا گیا ایک طرف افسروں کی تنخواہوں کو ۱۲ ہزار درہم تک بڑھا دیا گیا اور دوسری طرف کم سے کم معاوضہ پانے والوں کو ۲۰۰ کے بجائے ۳۰۰ درہم دیئے جانے لگے گویا اسلامی نظام میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چپراسی اور ہرکارہ اور سنتری بھی ۱۵۰ روپیہ ماہانہ پاتا تھا (بیوی بچوں کے لئے وظائف مزید براں ملتے تھے) غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ خلافت راشدہ میں معاوضوں کا تفاوت ۱:۲۵ اور ۱:۴۰ کے اندر اندر قائم رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں آج کے پاکستان میں تفاوت ۱:۲۰۰ کا ہے یعنی ۵ اور ۸ گنا!

یہ انصاف کی قطعی نفی ہے کہ ہماری حکومت کی گاڑی جن پہیوں پر چلتی ہے اُن کو تو صرف ناکافی معاوضے دیئے جائیں۔ لیکن پاکستان کے اس خزانے سے جسے ملک کے غریب لوگ اپنے خون پسینے کی ایک ایک بوند ٹپکا ٹپکا کر بڑی مشکلوں سے بھرتے ہیں بڑے بڑے عہدہ داروں کو نہ صرف یہ کہ ساری ضروریات زندگی پوری کر کے دی جاتی ہیں بلکہ ان کی معصیت بھری نفس پرستیوں، ان کی عیاشیوں، ان کی کافرانہ عادات، ان کی غیر اسلامی مجالس کیف و سرود کے مصارف پورا کرنے کے لئے معاوضوں میں پوری طرح گنجائشیں رکھی جاتی ہیں۔ پاکستان کے غریب عوام کے بل پر شرابیں خریدی جاتی ہیں، کلب گھروں میں رقص و سرود کے ہنگاموں سے لذت اندوزی کی جاتی ہے، برج کھیلی جاتی ہے، گھوڑ دوڑ میں روپیہ لگایا جاتا ہے، اپنی عورتوں کو تبرج جاہلیت سے آراستہ کر کے بے پردگی اور بے حیائی کی تبلیغ کے لئے میدان میں لایا جاتا ہے ——— اور پاکستان کی گاڑی کے پہیے یعنی کلرک، سپاہی، کانسٹیبل، مزدور وغیرہ ہمہ خوردہ بامداد فرزندم*

؎ سول محکموں میں سے صوبے کے گورنروں کی تنخواہیں بھی ۵۰۰ درہم ماہانہ تھیں۔ بڑے درجے کے قاضیوں (ججوں) کی تنخواہیں جو خاص طور پر زیادہ رکھی گئی تھیں تاکہ تنگدستی کوئی رخنہ انصاف کے عمل میں پیدا نہ کر سکے، ۵۰۰ درہم ماہانہ یعنی تقریباً ۲۵۰ روپے مقرر ہوئیں۔ قاضی سلیمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کو یہی مشاہرہ ملتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا معاملہ کرتے ہیں، اپنا خون خشک کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ گھس گھس کر اندر گھل گھل کر ختم ہو جائیں۔

ایک اسلامی حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے اوپر کے افسروں کی نہیں، پہلے نیچے کے کارکنوں کی کم سے کم شرح کو اصول کفالت کے مطابق طے کرے کہ ایک کنبے کی گذر کے لئے کتنی رقم دینا ناگزیر ہے۔ پھر بعد میں یہ دیکھا جائے کہ اوپر کے اعلیٰ کارکنوں کو خاص اضافے دینے کے لئے خزانہ کتنی گنجائش رکھتا ہے۔ نہ یہ کہ پہلے اوپر کے معاوضے مقرر ہو جائیں اور پھر خزانے میں جتنی استطاعت باقی رہے، نچلے ملازمین کی تنخواہیں اس کے مطابق ادا ہونے لگیں۔ صرف اس طریق سے تفاوت کو معقول اور جائز تناسب پر قائم کیا جا سکتا ہے۔

اکابر حکومت کے معاوضے اب تک عام ملازمین کے معاوضوں کے متعلق جو اشارات بیان کئے گئے ہیں، اسلامی نظام میں اکابر حکومت کا معاملہ ان سے بالکل الگ ہے۔ اکابر حکومت سے صدر حکومت، وزرا اور ارکان اسمبلی وغیرہ نظام ملک مراد ہیں۔ جدید جمہوری نظام میں ان عہدوں کے ساتھ بھاری تنخواہیں رکھی جاتی ہیں، لیکن اسلامی نظام میں ان مناصب کے لئے تنخواہ اور ملازمت کے تصور کو موجب توہین سمجھا جاتا ہے اور بجائے تنخواہ کے ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے ایک اوسط درجے کے معیار کے مطابق وظائف مقرر کئے جاتے ہیں۔

خلافت راشدہ میں خلفا اور اہل شوریٰ نے گذارے کے وظائف سے زائد کبھی کچھ وصول نہیں کیا، بلکہ خلیفہ اول نے زندگی بھر جتنا وظیفہ لیا تھا اسے بھی اپنے ترکہ میں سے واپس بیت المال میں داخل کرنے کی وصیت کی۔ حضرت عمرؓ نے واضح طور پر اپنے وظیفہ کی حیثیت متعین کر دی کہ:-

انما انا و مالکم کوالی الیتیم	تمہارے بیت المال کے لئے میری وہی حیثیت ہے جو
ان استغنیت بہ استعفف	یتیم کے ولی کی ہوتی ہے۔ پس میں اگر غنی ہوں گا تو اس
وان افتقرت اکلت بالمعروف	میں سے کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت مند ہوا تو منصفانہ
	طریق سے کھاؤں گا۔

چنانچہ یہ منصفانہ معاوضہ جو اخراجات کا باقاعدہ حساب مرتب کرکے آپ نے مقرر فرمایا تھا دو درہم یومیہ تھا۔ پھر اس پر احتیاط کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بیت المال کا ذرا سا حق بھی اپنے اوپر آنے کے روادار نہ تھے اور اپنے اوپر اور گھر والوں پر اس معاملے میں حد درجہ کی سختی کرتے تھے۔ یہی مسلک حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اختیار کیا جنہیں بجا

© rasailojaraid.com

کے دور کے بیچ میں دو سال نے لئے خلافت راشدہ کے احیاء کا موقع مل گیا تھا۔

لیکن آج "مال یتیم" کے والیوں کا یہ حال ہے کہ اپنے لئے ۵۰۰۰ ہزار روپیہ تک کی تنخواہیں مقرر کرتے ہیں تنخواہوں سے بڑھ چڑھ کر سفر خرچ وصول کرتے ہیں، شاہانہ ضیافتوں اور دعوتوں کے لئے روپیہ صرف کرتے ہیں، ۰۰ ہزار روپیہ کا فرنیچر استعمال کرتے ہیں اور اپنے مناصب خدمت کو باقاعدہ کمائی اور عیاشی کا ایک وسیلہ سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مدعا یہ نہیں کہ آج بھی معاوضہ عین دو درہم روزانہ ہی ہونا چاہئے۔ بلکہ موجودہ دور کے معیار تمدن کے پیش نظر ایک اوسط درجے کے شہری کی صاف ستھری شریفانہ مگر سادہ زندگی گزارنے کے لئے جتنا خرچ ناگزیر ہے، پاکستان کے صدر حکومت، اس کے وزراء اور اس کے ارکان اسمبلی کو صرف اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ ورنہ مال یتیم کے والی سے عدالت خداوندی میں جتنا شدید محاسبہ ہونا ہے، اس سے ہزار گنا زیادہ شدید محاسبہ ایک اسلامی حکومت کے عمال برداروں سے ہوگا۔

اعلیٰ عہدہ داروں پر ایک اہم پابندی | موجودہ نظام میں اعلیٰ عہدہ داروں کو پوری چھوٹ ہے کہ وہ اپنی بڑی تنخواہوں کے بل پر نہایت درجہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کریں اور اپنے مسرفانہ معیار زندگی کو عوام ملک اور ماتحت کارکنوں سے بالاتر ہو کے رہنے کے لئے ذریعہ بنائیں۔ بڑے افسروں کی اس آزادی سے کئی فتنے اٹھتے ہیں۔ اولاً: یہ ہر اونچا عہدہ دار اپنے دماغ میں رعونت کو پرورش دیتا ہے اور ماتحت ملازمین کو اور پبلک کے افراد کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ثانیاً وزیروں، گورنروں، کمشنروں، محکموں کے ڈائرکٹروں اور دوسرے بڑے افسروں کا ٹھاٹھ باٹھ اس امر میں روک بن جاتا ہے کہ ماتحت ملازمین اور پبلک اپنی ضروریات اور شکایات کو ان تک پہنچا سکیں۔ ثالثاً بڑے افسروں کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر ماتحت کارکنوں میں اسراف کا ذوق بیدار ہونے لگتا ہے۔ ان کی تنخواہیں جب اس ذوق کی تسکین کے لئے کافی نہیں ہوتیں تو پھر وہ رشوت ستانی وغیرہ سے مدد لیتے ہیں۔ رابعاً حکومت کے اکابر اور عہدہ داروں کا مسرفانہ رویہ پوری پبلک کو اسراف کی ترغیب دلاتا ہے۔ ان سارے فتنوں سے بچنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ کارکنان حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کو چھوڑ کر عام لوگوں کی طرح کا رہن سہن رکھیں اور خدا کے بندوں کو اپنے تک پہنچنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس معاملہ میں بھی خلافت راشدہ کے دور سے ہمیں واضح قانونی رہنمائی ملتی ہے۔ وہاں تو نبی صلعم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے اور اپنے ارشادات سے ایسی مستحکم روایات قائم کر دی تھیں جن سے روگردانی کرنے کی جرأت کسی کو نہ تھی۔ آنحضرت کے بعد آپ کے خلیفۂ اول نے ان روایات کی پوری طرح پاسداری کی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلامی حکومت کے عمالوں کے معیار زندگی کے متعلق ایک مستقل ضابطہ بنا دیا۔ آپ دور عمرؓ کے ان ضابطوں کا Public-services-code سے موازنہ کریں تو ان میں عیاشانہ زندگی کے خلاف واضح انسدادی احکام ملیں گے۔

ایک خطبہ میں حضرت عمرؓ نے عمال کو ہدایات دیں کہ:۔

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین
ولکن بعثتکم ائمۃ الھدی یھتدی
بکم، فادروا علی المسلمین حقوقھم
ولا تضربوھم فتذلوھم ولا تحمدوھم
فتفتنوھم ولا تغلقوا الابواب
دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم
ولا تستاثروا علیھم فتظلموھم

سن لو کہ میں نے تم کو حکمران اور سخت گیر بنا کے نہیں بھیجا ہے بلکہ تمہیں بطور ائمہ ہدایت مقرر کیا ہے تاکہ لوگ تمہارے ذریعے ہدایت پائیں۔

۱۔ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔

۲۔ ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہو جائیں۔

۳۔ ان کی بےجا تعریف نہ کرو کہ وہ فتنے میں پڑ جائیں۔

۴۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ کرو کہ طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں۔

۵۔ ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ اس طرح ان پر ظلم کرنے لگو گے۔

اس خطبہ میں پانچویں ہدایت خاص طور پر قابل توجہ ہے اور اس کی تفصیل ان احکام میں ملتی ہے جو حکام و عمال کے پروانۂ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور ان سے عہد لیا جاتا تھا کہ ان کی پابندی کریں گے۔ شرطیں یہ تھیں کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گے، باریک کپڑے نہ پہنو گے، چھنا ہوا آٹا نہ کھاؤ گے اور اپنے دروازے پر دربان نہ رکھو گے اور اہل حاجت کے لئے اپنے دروازے ہمیشہ کھلے رکھو گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس دور میں ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کے یہی مظاہر تھے اور ان کو اسلامی حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کے لئے قانوناً ممنوع ٹھہرایا گیا تھا۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر کارکن کے خلاف ایک مرتبہ دربارِ خلافت میں کچھ شکایات آئیں تو ان میں سے ایک یہ تھی کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو ایسی غذا ملتی ہے جو عام مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوتی۔[1] اتفاق سے باقی الزام غلط نکلے اور یہی ایک صحیح ثابت ہوا۔ عدلِ عمرؓ نے لونڈی ان سے الگ کرا دی۔

ایک مرتبہ عیاض بن غنم عامل مصر کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ باریک کپڑے بھی پہنتے ہیں اور دروازے پر دربان بھی رکھتے ہیں۔ عامل موصوف کو مرکز میں پکڑ بلوایا گیا، عین اس حال میں کہ باریک لباس بدن پر موجود تھا۔ حضرت عمرؓ نے وہ لباس اتروا کر گزی کا دلق جبہ پہنوایا اور کہا کہ جاؤ تم جنگل میں بکریاں چراؤ، انسانوں پر حکومت کرنے کے تم اہل نہیں ہو۔ تم صدقِ دل سے توبہ کرنے پر ان کو منصب پر بحال کیا گیا۔

اسی طرح کوفہ میں سعد بن وقاص نے اپنے لئے ایک عالیشان مکان بنوایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ خلیفۂ ثانی کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس ٹھاٹھ کی تعمیر کو اہلِ حاجت کے لئے روک سمجھا اور محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جاؤ اس ڈیوڑھی کو جا کر آگ لگا دو۔ چنانچہ اس فرمان کی تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چپکے بیٹھے دیکھتے رہے۔

آج کے دور کے لئے ان روایات سے جو چیزیں اخذ ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ حکام و عمال کو سرکاری ڈیوٹیوں کی انجام دہی کے لئے تو اعلیٰ سے اعلیٰ ذرائع و وسائل مہیا ہونے چاہئیں، لیکن ان کو شخصی اور گھریلو زندگی کے معیار کو کبر اور اسراف کی حد تک جانے سے قانوناً روکا جانا چاہیے۔ ایک مسلم مملکت کے حکام کا مقام یہ نہیں ہے کہ وہ قالینوں اور عورتوں کی جنتیں بسا کے بیٹھیں، نوکروں اور خادموں کے بیڑے بھرتی کریں، زندگی کے چند لمحے بسر کرنے کے لئے اونچے ایوان تعمیر کرائیں، اور لمبے چوڑے احاطے گھیر کر بیٹھیں، رقص اور سرود کے ہنگاموں سے لذت اندوز ہوں اور شرابیں پئیں، وہ سیر کو نکلیں تو ہزاروں کارکن مختلف انتظامات میں مصروف ہو جائیں، وہ جہاں قیام کریں وہاں پولیس کے پہرے ہوں اور سی۔ آئی۔ ڈی کے کارکن موہوم خطرات کو سونگھتے پھریں، وہ کسی سڑک سے گزریں تو وہ سڑک پبلک کے لئے حرام

[1] آج کتنے ہی کارکنانِ حکومت ایسے ہوں گے جن کے کتوں کو عام مسلمانوں سے کئی گنا بہتر غذائیں اور دوائیں ملتی ہوں گی۔ لیکن کوئی عمرؓ موجود نہیں جو اس صورتِ حالات کو بدل دے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہزادے جاتے ۔ وہ اگر کسی تقریب میں شریک ہوں تو ان کے لئے آرائشی دروازے نصب کئے جائیں، جھنڈیاں، اور بیچارے مسلمان کے تھان زمین پر بچھا دئے جائیں، وہ کسی مجلس میں تشریف لائیں تو نعرے لگائے جائیں اور خوشامدانہ سپاسنامے ان کی خدمت میں پیش کئے جائیں، اگر کوئی غریب صاحب حاجت ان سے ملنے کی کوشش کرے تو اسے روکنے کے لئے قدم قدم پر سنتری موجود ہوں کسی اسلامی حکومت کے کارکن اگر اس روش پر چلیں تو ان کو یقیناً سزا ملنی چاہئے۔

اس مصنوعی زندگی سے جب تک ہمارے حکام الگ نہ ہو جائیں، ان کے ہاتھوں سے غریب رعیت کی وہ فلاح ہو ہی نہیں سکتی جو غرور عوام اور ماتحت ملازمین کے لئے ان تک پہنچنے میں مانع ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر اسلامی اخوت و مساوات کا احساس پیدا ہونے ہی نہیں پاتا۔ اسلامی نظام میں بہرحال کارکنان حکومت کے لئے کبر و نخوت اور اسراف و تبذیر کی زندگی بسر کرنے کا موقع مہیا نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ حکام کو کارکنوں اور پبلک سے الگ ایک عالم بالا میں رہنے کی اجازت دی جا سکتی۔

اسلامی حکومت اپنے عمال و احکام سے یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے ماتحت کارکنوں اور عام شہریوں کے لئے نہ صرف یہ کہ اپنے دروازے کھلے رکھیں، بلکہ ایک عام مسلمان کی طرح ان سے روابط قائم کریں، یہاں تک کہ خلیفہ دوم کے دور میں ایسے حکام و عاملین کو برطرف کر دیا جاتا تھا جو بیمار مسلمانوں کی عیادت کو نہ جائیں۔ چنانچہ یہاں اس طرز عمل کا کوئی موقع نہیں ہے جو آج رائج ہے۔ کہ ہمارے اکابر حکومت اور حکام عملاً نہ مہینوں میں چند بار عوام سے ملیں جلیں۔ لوگوں کی مشکلات کو براہ راست جا کر معلوم کریں، نہ اپنے دروازے ہر خاص و عام کے لئے کھلے رکھیں، بلکہ ان کو جن شکایات اور ضروریات کا علم ہو بھی جائے ان کے بارے میں اپنا فرض ادا کرنے پر اس وقت تک تیار نہ ہوں، جب تک کہ پریس اور اسٹیج سے ایک طوفان پبلک کی طرف سے بپا نہ کر دیا جائے۔

حقوق محنت کا تحفظ معاشی ناہمواریوں کو پیدا کرنے والے اسباب میں سے ایک اہم ترین سبب صنعتی مزدوروں کی حق تلفی ہے۔ ہمارے صنعتی مزدوروں کا حال یہ ہے کہ وہ سرمایہ دار کے نخاس میں اپنے آپ کو بردے اور غلام بنا کر بیچتے ہیں، اور نہایت ارزاں بیچتے ہیں۔ خریدنے والے ان ابنائے آدم کو خرید کر چوپایوں کی طرح استعمال کرنے میں جیسے کوئی شتربان بہت سے اونٹ پال لیتا ہے یا کوئی جمال گدھے خرید لیتا ہے اور پھر ان سے روپیہ کما کر ان پر کم سے کم

© rasailojaraid.com

صرف کرتا ہے اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہمارے گرفتار انسانوں کے لگے نے لنگڑے بال گران کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں اور پھر اس کمائی میں سے کم سے کم حصہ ان پر صرف کرتے ہیں جو انہیں ان کی خدمات کے لئے زندہ رکھے۔

مارکس نے کتاب سرمایہ میں نظریہ قدر زائد (Surplus value theory) کی روشنی میں سرمایہ داری کے ظلم کی جو حقیقت واضح کی ہے وہ بجائے خود ایک حقیقت ہی ہے۔ اگرچہ اس کی تعبیر میں مارکس کی نگاہ بھٹک گئی۔ وہ مصنوعات (Comodities) کی ساری قدر (Value) کو محنت (Labour) کا نتیجہ شمار کرتا ہے حالانکہ در اصل سرمایہ و محنت دونوں کے باہمی تعاون سے مصنوعات اور ان کی قدر نمودار ہوتی ہے اور یہ دونوں منافع کے والدین ہیں۔ ان میں کوئی ایک تنہا نہ مصنوعات کو وجود دے سکتا ہے، نہ قدر کو، نہ منافع کو۔ ظلم جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سرمایہ اپنے غلبے کی وجہ سے محنت کا حق مار لے جاتا ہے اور اسے "شریک کار" کی حیثیت دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ اس ظلم کو مارکس نے واضح کرنے کے لئے مبالغہ آمیز طریق استدلال استعمال کیا ہے۔

مارکس کے فلسفہ میں زیادتی موجود ہے یا نہیں۔ نظام سرمایہ داری میں مزدور پر بہرحال زیادتی ہوتی ہے اور اس زیادتی کے چند نمونے یہ ہیں

(۱) مزدوروں کے معاوضے بالعموم ان کی ناگزیر ضروریات پورا کرنے سے بھی کم رہتے ہیں۔

(۲) ان کو اپنی طبعی قوت کارکردگی سے زیادہ وقت کام کرنا پڑتا ہے۔

(۳) بعض کام مزدوروں کی صحت کو مستقلاً تباہ کرتے ہیں اور کبھی ان کے بعض اعضا ضائع ہو جاتے ہیں۔

(۴) ان کو رہنے کے لئے تنگ اور مضر صحت مکانات فراہم کئے جاتے ہیں۔

(۵) ان کو بیماری میں علاج کی سہولتیں بہم نہیں پہنچتیں۔

(۶) ان کے بچے تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں۔

حکومت پر چونکہ سرمایہ داروں کا قبضہ ہوتا ہے، اس لئے قانون، اور اجتماعی ماحول دونوں ان حالات کو قائم رکھنے کا پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے مزدوروں کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ ظلم کی قوت سے سرمائے کے خلاف خونی جنگ لڑیں اور اپنے حقوق وصول کریں لیکن اسلامی شریعت میں حکومت چونکہ سرمایہ و محنت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تعاون اور توافق پیدا کرنے کی ضامن ہے اور محنت کے حقوق اصولی حیثیت سے مقرر ہیں۔ اس لئے نظام اسلامی طبقاتی تصادم سے پاک رہتا ہے۔

ہمارے پاکستان میں مزدور کی آج جو حق ماریاں ہو رہی ہیں، ان کو اسلام جاری رہنے نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ مزدور کی حق ماریاں نہیں، خود اسلام کی حق ماریاں ہیں:

مزدوروں کو جو لوگ آج جانوروں کی طرح استعمال کر رہے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شارع علیہ السلام نے جانوروں کے لئے بھی جو حقوق مقرر کئے ہیں وہ بھی ان حقوق سے زائد ہیں جنہیں نظام سرمایہ داری نے انسانوں کو عطا کیا ہے۔ جانوروں کی خدمات سے استفادہ کرنے والوں سے نبی صلعم نے یہ چاہا ہے کہ:

(۱) جانور پر سواری کرتے وقت تر و تازہ ہوں اور کام لینے کے بعد تر و تازہ حالت ہی میں ان کو کھول دیا جائے۔

(۲) ان کے چارے، پانی اور جگہ کا مناسب انتظام کیا جائے۔

(۳) ان کو لعنت نہ کی جائے اور بے جا مارا نہ جائے۔

صرف اول الذکر ہدایت ہی کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اس میں بہت سی باتیں شامل ہیں جانور تر و تازہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بدن کی ضروریات پوری کی گئی ہوں اور اس پر اس کی قوت سے زائد بار نہ ڈالا گیا ہو۔ پھر تر و تازہ حالت پر چھوڑ دینے کے معنی یہی ہیں کہ اعتدال سے خدمت لی جائے۔

پھر نبی صلعم نے ایک عورت کو محض اس بنا پر دوزخ کا مستحق بنایا کہ اس نے ایک بلّی کو باندھ کر رکھا تھا لیکن اسے کھانے پانی سے محروم رکھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ لوگ جو انسانوں کی زندگیاں سرمائے کے کھونٹے سے باندھ رکھتے ہیں، اور پھر ان کو اور ان کے بچوں کو نیم فاقہ کی حالت میں مبتلا رکھتے ہیں، ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ جس خدا کو اپنی پیدا کی ہوئی ایک بلی کا بھوکوں رکھنا سخت نامرغوب ہے، اس کے ہاں اپنے پیدا کئے ہوئے انسانوں کی فاقہ مستیوں پر کتنا غضب ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جس نبی نے جانوروں پر ان کی قوت سے زیادہ بار ڈالنے کو ممنوع ٹھہرایا ہے اور ان کو تر و تازہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اس کی شریعت میں انسانوں کی قوت و صحت کا کیا کوئی لحاظ نہ ہوگا؟ یقیناً ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ غلاموں اور خادموں کے حقوق کی جو تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں، اُن سے آج موجودہ دور کے حقوق کو متعین کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) عن ابی ھریرۃ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
للمملوک طعامہ وکسوتہ	غلام و خادم کے لئے خوراک اور لباس چاہیئے اور ان
ولا یکلف من العمل مالا یطیق	پر ایسے کام کا بار نہ ڈالا جائے جس کی وہ قوت نہ رکھتا
	ہو۔

(۲) معرور بن سویدؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ سے ان کی ملاقات اس حال میں ہوئی کہ وہ اور ان کا خادم معمولی ایک سی بردیمانی قیمتی قسم کی چادریں اوڑھے ہوئے تھے۔ معرور بن سویدؓ نے اس صورت واقعہ کو دیکھ کر حضرت ابوذرؓ سے خادموں کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے جواب میں نبی صلعم کا یہ ارشاد نقل کر دیا کہ:۔

"ھم اخوانکم وخولکم جعلھم اللہ	یہ لوگ تمہارے بھائی اور خادم ہیں، جنہیں اللہ نے تمہارے
تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت	زیر نگین کیا ہے پس جس شخص کے زیر نگین اس کے کسی بھائی
یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ	کو کر دیا گیا ہو اسے چاہیئے کہ وہ جیسا کچھ خود کھاتا ہے اسے
مما یلبس ولا تکلفوھم من العمل	کھلائے جیسا خود پہنتا ہے اسے پہنائے اور ان پر زیادہ
ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم	محنت کا کام نہ ڈالو، اگر مجبوراً ڈالو تو پھر ساتھ ہو
علیہ (المختصر الانسانی)	کر خود ان کی مدد بھی کرو۔

اس میں شک نہیں کہ یہ احکام غلاموں کے بارے میں خصوصیت سے تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آج کے مزدور "اخوانکم" کی تعریف میں نہیں آتے؟ کیا "جعلھم اللہ تحت ایدیکم" کی صفت ان میں بھی نہیں ہے؟ کیا ان پر ان کی قوت سے زیادہ بھاری کاموں کا بار ڈالنا چاہیئے؟ ...... اگر نہیں تو پھر طعام اور لباس کے بارے میں بھی اصول یہی ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی اپنی طرح اوسط درجے کی صالح غذا اور صاف ستھرا لباس فراہم کرنا ضروری ہے ——— اور ان کے معاوضے ایسے ہونے چاہئیں کہ ان کے بل پر بھلی زندگی گزار سکیں۔

(۳) بخاری، ابوداؤد، ترمذی کی روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اذا اتی احدکم خادمہ بطعامہ	اگر تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرکے لائے
فان لم یجلسہ معہ فلیناولہ	، وہ خادم کو اپنے ساتھ کھانے کے لیے بٹھائے تو کم سے
لقمۃ او لقمتین او اکلۃ او	کم ایک، دو لقمے تو اسے کھلائے ـــ کیونکہ اس نے
اکلتین فانہ ولی حرہ وعلاجہ	گرمی اور پکانے کی تکلیف گوارا کی ہے۔

یعنی خادم یا ملازم نے جو کھانا آقا کے لئے پکایا ہو اس میں سے اسے بھی حصہ ملنا چاہیئے ـــ معاملہ کے دوسرے پہلو چاہے کچھ ہوں ـ ورنہ بالعموم خدام خیانت کا دروازہ کھول لیتے ہیں۔ اس حدیث سے ایک اشارہ بعیدیہ ملتاہے کہ کسی کارندے سے اگر ضروریات زندگی میں سے کسی کی تیاری کا کام لیا جا رہا ہو تو خود اس کارندے کی وہ ضرورت اٹکی نہ رہنی چاہیئے بلکہ اپنی محنت سے تیار کردہ مصنوعات میں سے اسے بطور عطیہ و ہدیہ کے کچھ نہ کچھ حصہ ملنا چاہیئے۔ یہ حدیث جس اخلاقی رجحان کو ابھارنا چاہتی ہے، اس کی اہمیت سرمایہ دارانہ نظام میں بھی کچھ نہ کچھ ملحوظ رکھی جاتی ہے جیسا مدرسین کے بچوں سے تعلیم کی فیس نہیں لی جاتی یا ریلوے ملازمین کو سفر کی سہولتیں دی جاتی ہیں۔ اسی طرح بعض صنعتی کارخانوں میں مزدوروں کو وہاں کی مصنوعات ارزاں نرخوں پر دی جاتی ہیں، وغیرہ!

یہ بہر حال ظلم ہے کہ ایک مزدور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے کپڑا تیار کرے اور خود اس کا تن ننگا رہے، ایک کارخانے کے کارکن کروڑوں ابنائے نوع کے لئے کونین کی ٹکیاں بناتے رہیں، لیکن خود ان کے بچوں کو ملیریا سے بچنے کے لئے کونین نہ ملے۔ اخلاقاً چاہیئے یہی کہ ہر کارخانے کے مزدوروں کو ان کی مصنوعات میں سے کچھ حصہ بطور ہدیہ ملے یا کم سے کم ارزاں نرخوں پر حاصل ہو۔ یہ مسلکِ احسان اجیر اور مستاجر کے درمیان قرب اور محبت کو بڑھانے والا ہے اور اسی وجہ سے اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔

۴۔ نبی صلعم نے یہ چاہا ہے کہ غلاموں اور خادموں کو ایک ایک دن میں ان کے ستر ستر قصوروں پر معافی دی جائے

(۵) ابو داؤد و نسائی کی روایت ہے کہ:

امر رسول اللہ صلعم یوماً بالصدقۃ	ایک دن نبی صلعم نے صدقے کی نصیحت کی۔
فقال رجل یا رسول اللہ عندی دینار	ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس ایک
قال تصدق بہ علی نفسک قال عندی	دینار ہے آپ نے فرمایا کہ اپنی جان پر صدقہ کر۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخر قال تصدق به على ولدك قال عندي آخر قال تصدق به على زوجتك قال يا رسول الله عندي آخر قال تصدق به على خادمك قال عندي آخر قال انت ابصر به۔

نے پھر کہا کہ ایک اور دینار بھی ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے بچے پر صرف کر۔ اس نے کہا ایک اور بھی ہے۔ آپ نے فرمایا اپنی بیوی پر صرف کر۔ اس نے کہا میرے پاس اور دینار بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے خادم پر صرف کر۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک اور دینار بھی رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تو خود ہی فیصلہ کر لے!

اس روایت کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو اپنی ذات اور اہل و عیال کے بعد اپنے خادموں، ملازموں اور مزدوروں کے حقوق پورے کرنے چاہئیں اور اس کے صدقات کے لئے بھی وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کارخانہ داروں کے کاروباری اور گھریلو اموال کی زکوٰۃ اور ان کے دوسرے صدقات خود ان کے مزدوروں پر صرف ہونے چاہئیں۔

(۶) حضرت عمرؓ کے اسوہ میں بھی ایک نظیر ذمی مزدور کے بارے میں ملتی ہے۔ آپ نے ایک بوڑھے ذمی کو گداگری کرتے دیکھا تو آپ کو رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے لئے ٹھیک نہیں ہے کہ ایک شخص کی جوانی کے زمانے میں تو ہم ذمی ٹیکس کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھائیں لیکن معذوری کی حالت میں اسے ذلت و خواری میں چھوڑ دیں۔ چنانچہ آپ نے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

یہاں سے یہ بنیادی اصول ملتا ہے کہ جس شخص کی جوانی اور صحت کی حالت میں کوئی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہو اس پر اگر بڑھاپے یا معذوری یا بیماری کی حالت طاری ہو جائے تو استفادہ کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ اس کی کفالت کرے۔ شارع کی ان ہدایات کو اگر ملحوظ رکھ کر اصول طے کئے جائیں۔ حقوق محنت یہ قرار پاتے ہیں۔

ا- ایسا معاوضہ دیا جانا چاہئے جو نہ صرف ان کے جسم و جان کا رشتہ ہی برقرار رکھے، بلکہ ان کی صحت اور تروتازگی کو بھی بحال کرے۔

ب- رہن سہن کے ایسے انتظامات مزدوروں کو فراہم کرنے چاہئیں جو ان کے کنبے کی صحت کے لئے تباہ کن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہوں۔

ج۔ بیماری میں ان کے معالجہ کا انتظام ہونا چاہیے ۔۔۔ ورنہ تروتازگی کیسے رہے گی۔

د۔ ان سے ایسا اور اتنا کام لینا چاہیے جس سے ان کی صحت نہ گرے اور ان کی قوت کارکردگی ضائع نہ ہو۔

ہ۔ ان کی کوتاہیوں پر سختی کرنے کے بجائے نرم ہمدردانہ سلوک کرنا چاہیے۔

س۔ جو مصنوعات ان کی [illegible] سے تیار ہوں ان میں سے کوئی حصہ ان کو ہدیہ کیا جائے یا ارزاں دیا جائے۔

ص۔ [illegible] مزدوروں کے صدقات کا صرف مزدوروں کی تعلیم، ان کے معالجہ، ان کی ناگہانی ضروریات، ان کے بچوں کی تربیت وغیرہ پر صرف ہونا چاہیے۔ نیز قربانی، صدقہ فطر اور کفارہ جات کے [illegible] کے اولین مستحق بھی یہی لوگ ہیں۔

ط۔ بیماری [illegible] مزدوروں کو [illegible] اور بڑھاپے اور ناکارگی کی حالت میں پنشنیں ملنی چاہئیں۔

ان اصولوں کی روشنی میں آج اسلامی حکومت کو سرمایہ اور محنت کو گویا [illegible] منصفانہ طریق سے حقوق محنت [illegible] کے تحفظ کے لیے ایک ضابطہ مرتب کرنا ہوگا تاکہ اگر کسی کی حق تلفی کی جائے تو وہ اپنا حق حکومت کی مدد سے بھی وصول کر سکے۔

بڑے کارخانوں میں جہاں (مثلاً ۵۰۰ سے زیادہ کارکن کام کرتے ہیں) حکومت یہ لازم ٹھہرا سکتی ہے کہ وہاں سرکاری نقشے کے مطابق مکانات بنا کر مزدوروں کی بستی بسائی جائے، وہاں سرکاری اسکیم [illegible] کے مطابق ایک مدرسہ اور ایک ہسپتال قائم کیا جائے اور ان کا انتظام اگرچہ حکومت کے ہاتھوں میں ہو لیکن ان کے مصارف [illegible] کارخانہ سے وصول کئے جائیں۔ چھوٹے کارخانوں اور عام ملازمتوں [illegible] کے معالجے اور تعلیم کے مصارف کام لینے والوں کے ذمے ڈالے جائیں ۔۔۔ الا یہ کہ وہ استطاعت نہ رکھتے ہوں اور حکومت ان کی جگہ بیت المال سے روپیہ صرف کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر مزدوروں کی سوسائٹی اسلامی [illegible] اخلاق کے ذریعے منظم کی جائے [illegible] اسلامی اخوت کے [illegible] تو [illegible] ناہمواریاں [illegible] حقیقی تصادم [illegible] جائے۔

ایسے کارخانہ دار جو حکومت کی [illegible] کے مطابق [illegible] حقوق [illegible] مزدوروں سے مسلسل [illegible] ان کے کارخانوں کو ایک مقررہ مدت کے لیے حکومت کی تحویل میں لے لینے کا ضابطہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونا چاہئے جس کے تحت ان کو اسلامی اخلاق اور احترام حقوق اور ذمہ داریوں کی تربیت دی جا سکے۔

مزدوروں کے لئے بیت المال کی پشت پناہی

اسلامی حکومت کے تحت مزدوروں کو اپنی محنت ارزاں نرخوں اور گھٹیا شرائط پر بیچنے سے بچنے کا بہترین ذریعہ بیت المال کی پشت پناہی ہے۔ بیت المال زکوٰۃ اور صدقات اور فے اور غنیمت کی بے حساب رقوم لئے جب اہل محنت کی مدد کو موجود ہو کہ اگر وہ بے روزگار یا معذور ہوں گے تو ان کی اپنی حکومت بہتر ان کی کفالت کے لئے موجود ہے تو محنت کا نرخ بہرحال چڑھ جائیگا اور ان کو جانوروں کی سطح پر آکر سرمایہ داروں سے معاملہ کرنے کی مجبوری سے نجات مل جائے گی۔ اس صورت میں وہ ہڑتالوں اور احتجاج کے مظاہرات کو زیادہ مؤثر اور دیرپا بنا سکیں گے اور سرمائے کی قوت کا زیادہ مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گے ...... لیکن اس کی ضرورت ایک تربیت یافتہ سوسائٹی میں پیش نہیں آ سکتی۔

حکومت ایسے انتظامات بھی کر سکتی ہے کہ وہ ہر کارخانے کے کارکنوں کے مشاورتی بورڈ مرتب کرائے اور پھر ان بورڈوں کا ایک مرکزی ادارہ موجود ہو جس میں ہر صنعت کے مخصوص مسائل اور اس کے مزدوروں کی ضروریات کے بارے میں اصلاح و ترقی کی مختلف اسکیمیں مرتب ہوں اور سرمایہ و محنت کے تعاون کو نشوونما دینے کے لئے پروگرام بنیں اور وہ اسلامی نظام حکومت کی مجلس شوریٰ کے سامنے سفارشات کی صورت میں پیش ہوں۔ اس طرح محنت کی حق ماریوں کا بآسانی خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

ان ساری تدابیر میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اہل سرمایہ اور اہل محنت کے درمیان کسی طرح کی طبقاتی تقسیم کا وجود نہ تو تسلیم کیا جائے اور نہ اسے فروغ پانے میں مدد پہنچ سکے۔ امت کی وحدت کو اصولاً ایک حقیقت قرار دے کر اسی کو فروغ دینا پیش نظر ہو۔ ورنہ اصلاح شدہ بجائے اتنا بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ (باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com